تبصرہ

اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات قرآن و سنت کی روشنی میں

از مولانا محمد طاسین
ناشر: مجلس علمی فاؤنڈیشن، کراچی

موجودہ وقت میں انسانی سوسائٹی میں معیشت و اقتصاد کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اس سے آج ہر آدمی آگاہ ہے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ تجارت و معیشت ہی ہے، جس نے آج زندگی کے تمام پہلوؤں پر اپنی گرفت مضبوط کر رکھی ہے اور سیاسی آزادی مستحکم معیشت کے بغیر ایک بے معنی افسانہ ہے۔ یہی عالمی معیشت ہے، جس نے اپنے بچاؤ کے لیے اپنی فوجوں کو خوف ناک ہتھیاروں سے مسلح کر رکھا ہے۔

موجودہ وقت میں اس معیشت پر دو نقطہ ہائے نظر سے۔ مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشت اور کمیونزم کی سوشلسٹ معیشت۔ بحث کی جا رہی ہے، کیوں کہ یہ دونوں نقطہ ہائے نظر ایک نظام کی حیثیت سے قائم ہیں اور دنیا کی معیشت پر ان کی حکمرانی ہے۔ ان دونوں کے علاوہ مسلم معاشرہ بھی اپنے اخلاقی اور روحانی تصور حیات کی وجہ سے معیشت میں اپنا ایک صحت مند نقطہ نظر رکھتا ہے، لیکن یہ نقطہ نظر ابھی تک مقبول عوام نہیں بن سکا ہے، کیوں کہ موجودہ

وقت میں مسلم ریاستیں بہ وجوہ ایک صحت مند فلاحی نظام معیشت کو قائم کرنے میں ناکام رہی ہیں۔ چنانچہ حقائق کی دنیا میں آج سوشلسٹ یا سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی گونج سنائی دے رہی ہے۔

برصغیر میں جب سوشلسٹ معیشت کا ہنگامہ بپا ہوا' تو مسلمان اہل علم نے چند کتابیں لکھیں' مثلاً ۱۹۴۱ء میں مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی نے اسلام کا اقتصادی نظام' مولانا مناظر احسن گیلانی نے اسلام اور نظام جاگیرداری و زمینداری' قاہرہ میں ایک ازہری عالم شیخ زیدان ابوالمکارم نے "بناء الاقتصاد فی الاسلام" کے نام سے کتابیں لکھیں' ان تینوں کتابوں میں تفصیل سے بتایا گیا کہ موجودہ جاگیرداری نظام اسلامی معیشت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ان علماء نے صحیح اور مستند احادیث کی روشنی میں بتایا کہ زمین کو بٹائی پر دینا جائز نہیں ہے۔

یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ پاکستان' افغانستان اور ترکی میں مسلمانوں کی اکثریت حنفی مکتب فکر سے تعلق رکھتی ہے' لیکن انہوں نے جاگیرداری اور زمینداری کے بارے میں امام عالی مقام (حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کی رائے کو قبول نہیں کیا ہے' چنانچہ صدیوں سے مسلم کاشت کار استحصال کا شکار رہا' اور اپنی محنت اور عمل کے اجر سے محروم' لیکن برطانوی حکومت یا مسلم معاشرہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ خیال تھا کہ قیام پاکستان کے بعد ہماری معیشت کے افق پر ایک نئی صبح طلوع ہوگی' کیوں کہ ۱۹۲۷ء میں علامہ اقبال نے پنجاب کونسل میں کہا تھا : "میری رائے میں ہندوستان میں اسلام کا مستقبل ایک حد تک پنجاب کے کسانوں پر موقوف ہے۔" لیکن افسوس! آج تک علامہ کی یہ آواز فضا میں گونج رہی ہے۔ لیکن ہم سننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بعد میں ۱۹۵۲ء' ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی زرعی اصلاحات کے نام سے لاکھوں غریب کاشت کاروں کو آزادی کی خوش خبری سنائی گئی' افسوس! یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا اور عملی

طور پر بندۂ مزدور کے اوقات تلخ ہی رہے۔ حتیٰ کہ ۱۹۷۸ء کے مارشل لاء میں اسلامی نظام کا نعرہ بلند کیا گیا' اور مضاربت اور زکوٰۃ کے نام سے سرکاری طور پر قوانین بھی وضع کیے گئے' لیکن عملی طور پر ان کا کوئی نتیجہ نہ نکلا' کیوں کہ مضاربت سے متعلق سرکاری اعلانات کا تعلق پروپیگنڈہ سے تھا۔ حتیٰ کہ سابق صدر جناب غلام اسحاق خاں کو وزیر خزانہ کی حیثیت سے ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء کو کہنا پڑا کہ موجودہ بنکوں کے نظام کو مضاربت سے بدلنا سرمایہ دارانہ نظام کی جگہ سرمایہ داری ہی کو لانا ہے۔ سابق صدر شاید پہلے آدمی تھے' جنھوں نے جرات سے کام لیتے ہوئے کہا کہ مسلم دانشور اور خاص طور پر مسلم ماہرین اقتصاد نے سنجیدگی سے اسلام کے اقتصادی نظام پر جو عدل اور احسان کے اصولوں پر مبنی ہے' بحث نہیں کی ہے۔ یہ نظام محض آتشیں تقریروں سے' جو سیاسی مقاصد کے لیے شاید سود مند ہوں۔ وجود میں نہیں آئے گا۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو روزنامہ "ڈان" کراچی ۱۸ مارچ ۱۹۸۴ء' ص ۶)

بے شبہ مسلم معاشرے اگر اپنے ہی صحت مند نظام معیشت پر سنجیدگی سے نظر ڈالتے' تو آج دنیا کے بازار معیشت میں ان کی آواز بھی سنائی دیتی۔ عجیب اتفاق ہے کہ بعض غیر مسلم دانشور مسلمانوں کے "جمہوری مزاج" کے مداح رہے ہیں۔ مارکس نے کہا تھا: مسلمانوں نے سارے ایشیا میں زمین کو نجی ملکیت نہ بنانے کے اصول کو وسیع پیمانے پر عملی جامہ پہنایا تھا۔" مغربی سکالرز نے حضرت عمرؓ کے کامیاب معاشی تجربات کی جو مملکت کے عام شہریوں کی مادی فلاح و بہبود کے لیے کیے گئے تھے' بڑی تعریف کی ہے' حتیٰ کہ انہوں نے مکانات کو دو یا سہ منزلہ بنانے سے روک دیا تھا' یا ہفتے میں دو ایک دن گوشت کھانے پر بھی پابندی لگا دی تھی۔ ان تجربات کے باوجود انہوں نے فرمایا تھا:

لو استقبلت ما استدبرت لاخذت فضول اموال الاغنیاء و

وزعتها فی الفقراء

("آج جو باتیں میرے علم میں آئی ہیں، اگر پہلے ان کا پتہ چل جاتا، تو میں مالدار لوگوں کی زائد دولت کو چھین کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔")

اگر مسلم معاشرہ دولت کی منصفانہ تقسیم کے بارے میں فاروقی تجربے کا گہرا شعور رکھتا، تو آج انسانی جماعت کو اس منصفانہ تقسیم کے لیے ایک ٹھوس اور مربوط نظام معیشت کے لیے چودہ سو برس تک انتظار نہ کرنا پڑتا۔

مولانا محمد طاسین کی زیر تبصرہ کتاب "اسلام کی عادلانہ اقتصادی تعلیمات" دولت کی اسی منصفانہ تقسیم سے تعلق رکھتی ہے۔

ملک کے علمی حلقے مولانا موصوف کے اسم گرامی سے واقف ہیں۔ مولانا ان چند اہل علم میں سے ہیں، جو عربی زبان اور اسلامیات پر عبور رکھتے ہیں اور عملی طور پر علمائے حق کا بہترین نمونہ ہیں۔ مولانا اس کتاب سے پہلے مروجہ نظام زمینداری اور اسلام کے نام سے بھی کتاب لکھ چکے ہیں۔ مولانا مسئلہ زکوٰۃ پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ موجودہ وقت میں صنعتی مشینوں پر بعض علماء کے نزدیک زکوٰۃ لازم نہیں ہے، مارشل لا دور میں زکوٰۃ سے متعلق جاری شدہ آرڈیننس میں بھی ان مشینوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ مولانا مشینوں پر زکوٰۃ کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ (ص ۱۷۶، ۱۸۶) اگر زکوٰۃ کا ایک مقصد اکتناز دولت کو روکنا ہے، تو پھر صنعتی مشینوں پر زکوٰۃ یقیناً لازم آئے گی۔

زکوٰۃ ہی کے ذکر میں ایک دوسری جگہ مولانا فرماتے ہیں: "زکوٰۃ کے متعلق فقہا کا اجماع ہے کہ اس کی جو شرح خود نبی اکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہے، وہ ناقابل تغیر اور اٹل ہے، حالات خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس میں ذرہ برابر کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔" (ص ۱۷۰)

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ بعض اوقات آدمی کے ذہن

میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں نصاب زکوٰۃ پر ڈھائی فیصد کی جو قیمت تھی، کیا موجودہ وقت میں بھی ڈھائی فیصد کی وہی قیمت ہے؟ ہمارے ہی دور کی بات ہے کہ ۱۹۸۴ء میں ایک پاؤنڈ کی قیمت ۱۷ روپے تھی، لیکن آج پاؤنڈ کی قیمت ۷۵ روپے ہے، یا قیام پاکستان کے وقت گوشت کی قیمت ۸ آنے سیر تھی اور آج سو روپے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک غریب آدمی ڈھائی روپے میں خورد و نوش کا سامان خرید سکتا تھا لیکن آج ڈھائی روپے میں چائے کی ایک پیالی بھی مشکل ہی سے پی سکتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام کا یہ اصولی فیصلہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ حکم بدل جاتا ہے، بڑا ہی مستحسن فیصلہ ہے، جو ان کی اصابت رائے اور دقت نظر کا حامل ہے۔ القصہ شرح زکوٰۃ کا مسئلہ غور طلب ہے۔

مولانا کی چشم بینا نے بجا طور پر سوشلسٹ معیشت میں مساوات کا مشاہدہ کر کے اسے سرمایہ دارانہ معیشت کے غیر فطری فرق و امتیاز سے بہتر قرار دیا ہے۔ (ص ۱۵۹۔ ۱۶۰)

موجودہ وقت میں لیبیا شاید واحد مسلم ریاست ہے، جہاں کسی حد تک سوشلسٹ معیشت کو اپنایا گیا ہے۔ بنک سود نہیں دیتے، ایک آدمی اپنے مکان کو کرایہ پر نہیں دے سکتا۔ اس کے برعکس ایران میں جہاں خالص مذہب کے نام پر انقلاب آیا، اور مستبد ملوکیت کو غرق دریا کر دیا گیا، معیشت میں بنک سودی کاروبار کرتا ہے، ۱۹۹۴ء میں خاکسار ایک سیمینار میں شرکت کے لیے طہران گیا تو وزارت ارشاد کے ایک نمائندے سے راقم نے پوچھا:۔ کیا آپ بینک سے سود لیتے ہیں؟ ۲۔ کیا سرکاری طور پر خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت کی جاتی ہے، تو اس نے اثبات میں جواب دیا، البتہ وہ اس سلسلے میں کوئی لٹریچر فراہم نہیں کرسکا۔ لیکن بعد میں خاندانی منصوبہ بندی کی حمایت میں تحریریں مل

گئیں، جو ایرانی حکومت کی ایک اعلیٰ افسر ڈاکٹر خدیجہ کے قلم سے تھیں۔

فاضل مصنف اہل علم میں سے ہیں اور جاگیردارانہ معاشرہ میں ابن آدم کی ارزانی سے آگاہ، اس لیے ان کی خدمت میں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اپنے ادارے (مجلس علمی) کی طرف ایک مختصر کمیٹی کی تشکیل کریں۔ جس میں ان کے ساتھ ساتھ دو یا تین ایسے ماہرین معیشت بھی ہوں جو سرمایہ دارانہ، اشتراکیت اور سکنڈنیو یا سوشلسٹ معیشت (سویڈن، ناروے) سے پوری طرح آگاہ ہوں اور ان ملکوں میں معیشت کے ان تجربوں کے حسن و قبح کا مشاہدہ بھی کرچکے ہوں، یہ کمیٹی پاکستان یا مسلم معاشروں کی غیر اخلاقی معیشت کو بدلنے کے لیے ایک دستاویز تیار کرے، جو زارعت، صنعت اور تجارت (جس میں بینک بھی ہیں) سے متعلق ہمارے اخلاقی و روحانی تصورات (مساوات، اخوت، عدل اور احسان) اور روح عصر کی ترجمان ہو۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسی رپورٹ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ موجودہ وقت میں پاکستان یا مصر میں ہمارے دوستوں نے اسلامی معیشت کے نام سے جو تحریریں لکھیں ہیں، ان کا جائزہ لینا بھی شاید اس مجوزہ کمیٹی کے لیے سود مند رہے، مثلاً ۱۹۸۶ء میں تیمور کوران (Timor Kuran) اور جمال خواجہ نے ۱۹۸۸ء میں جنرل آف مڈل ایسٹ سٹڈیز، واشنگٹن اور جنرل خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ میں (بالترتیب) اسی موضوع پر لکھا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ اہل علم مولانا کی اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

رشید احمد (جالندھری)